ISSN: 2519-6332 (Print), ISSN: 2708-1915 (Online)

ڈاکٹر وفا یزداں منش ❁
بہارہ اکبری ❁❁

منیر نیازی اور فریدون مشیری کی نظموں میں حسیات کا تقابلی مطالعہ

A Comparative Study of Senses in the Poems of Munirnyazi and Faridun Moshiri

By *Dr. Vafa Yazdan Manesh, Assoc. Prof., Dept. of Urdu, University of Tehran, Iran.*

Bahareh Akbari, MA Urdu Student, Dept. of Urdu, University of Tehran, Iran.

ABSTRACT

Munir Niazi and Faridoon Moshiri are pioneer poets of Urdu and Persian romanticism in the twentieth century. Today, all the colors of emotions are purely human and in their poetry there are similarities in the theme, style of feeling and performance, especially the trend towards the past. These commonalities are particularly visible in thoughts and feelings related to the universe, fear, death and loneliness. As both poets are known as Hawass, in the expression of these subjects, Hawass makes good use of the elements and images associated with Khamsa and in this series they use the literary arts well, as far as the poetry of both of them is the same. Such imagery emerges.

Keywords: Muneer Niyazi, Fereidun Mushiri, Sensation, Past Universe, Death, Fear, Loneliness.

مقدمہ

اردو اور فارسی شاعری بیسویں صدی میں داخل ہوتے ہوئے نئے رجحانات کو قبول کرنے پر تیار ہونے

❁ ایسوسی ایٹ پروفیسر، شعبۂ اردو، جامعہ تہران، ایران
❁❁ طالبہ، ایم اے اردو، شعبۂ اردو، جامعہ تہران، ایران

ISSN: 2519-6332 (Print), ISSN: 2708-1915 (Online)

لگی۔اس صدی کے وسط میں دنیا میں ایسے سیاسی و معاشرتی واقعات رونما ہوئے کہ ادب ان سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکا۔ اسی طرح اردو اور فارسی ادب نے بھی کروٹیں لیں۔تاریخ اور سیاست کے سوا اردو اور فارسی ادب، یورپ اور دنیا کی دوسری زبانوں کے ادب سے رشتہ جوڑ چکے۔ ہر شاعر نے اپنے مزاج، سوچ اور ضرورت کے مطابق نئے نئے عناصر شاعری میں سمو لیے۔ ایسا بیسویں صدی کے آخر تک اردو اور فارسی کے شعرا کا مجموعہ ہائے کلام دیکھیں بڑے پیمانے پر تنوع اور رنگ برنگی جلوہ گر ہے۔ اردو اور فارسی کی کلاسیکی شاعری کے موضوعات اور فنی عناصر ایک دوسرے کے اتنے قریب ہیں کہ کہیں کہیں یہ لگتا ہے ایک دوسرے کا ترجمہ ہے، یہ بات الگ ہے کہ اردو شاعری اپنے جنم سے فارسی شاعری کو دیکھتے ہوئے سہارا لیتے ہوئے پروان چڑھی۔ اٹھارھویں اور انیسویں صدی میں اردو شاعری طاقت پاتے رہنے سے اپنے پاؤں پر کھڑی ہوگئی اور بیسویں صدی میں اپنی طاقت کے بل پر الگ راستے پر چل پڑی مگر انھی دو زبانوں میں الگ الگ راستوں کی شاعری میں ابھی تک رشتہ ٹوٹا نہیں ہے، مشترکہ عناصر پائے جاتے ہیں۔ منیر نیازی اور فریدون مشیری ایسے شاعر ہیں جن کے کلام میں حسیاتی تصویریں ایک حاوی عنصر بن کر ان کی شناخت اور امتیاز کا ضامن بنیں۔ اس مقالے میں ان دونوں کی نظموں کا جائزہ لیتے ہوئے چار مضامین پر مبنی ماضی، کائنات، خوف، موت، تنہائی کی شاعری کا مطالعہ کیا جارہا ہے۔ اس مقالے میں طوالت سے بچنے کے لیے فریدون مشیری کی فارسی شاعری کا اردو میں ترجمہ مدنظر نہیں رکھا جاتا مگر کوشش یہ ہے حسب ضرورت شعری مثالوں کا مجموعی مضمون اور خاص طور پر حسیات سے متعلق الفاظ و تراکیب کا اردو میں اشارہ کیا جائے۔

منیر نیازی اور فریدون مشیری کے سوانحی حالات

منیر نیازی ۱۴/اکتوبر ۱۹۲۲ء کو خان پور، ضلع ہوشیار پور مشرقی پنجاب میں پیدا ہوئے۔ انھوں نے ایس ای کالج بہاولپور میں داخلہ لیا اور انٹرمیڈیٹ کا امتحان پاس کیا۔ منیر نیازی کا تعلق صحافت اور ٹیلی ویژن سے بھی رہا، کالم نگاری میں اپنا نام بھی منوا چکے۔ وہ حلقۂ اربابِ ذوق سے وابستہ اور اس کے سیکریٹری بھی رہے۔ گیت نگاری بھی ان کی شناخت کا سبب بن گئی۔ وہ ۲۶/دسمبر ۲۰۰۶ء کو اپنے خالقِ حقیقی سے جا ملے۔

فریدون مشیری ۲۲ ستمبر ۱۹۲۶ کو تہران میں پیدا ہوئے۔ انھوں نے یونی ورسٹی آف تہران، فارسی ادب میں داخلہ لیا مگر ادھورا چھوڑ دیا۔ ان کا تعلق صحافت، فلم انڈسٹری، ریڈیو اور ٹیلی ویژن سے رہا۔ مختلف اداروں جیسے محکمۂ اطلاعات و اشاعت، ٹیلی مواصلات کمپنی میں عہدہ دار رہے۔ انھوں نے موسیقی سے لگاؤ رکھنے کی وجہ سے

ISSN: 2519-6332 (Print), ISSN: 2708-1915 (Online)

موسیقی اور شاعری کونسل کی رکنیت قبول کر لی۔ مشیری ۲۴/اکتوبر ۲۰۰۰ء کو تہران میں اللہ کو پیارے ہوئے۔

شاعری میں حسیات

حسیت سے مراد کسی چیز کا احساس ہونا ہے۔ حسیت کا شاعر وہ ہے جو اپنی شاعری میں کسی واقعے پر اپنے اوپر مسلط شدہ احساسات و کیفیات کو اس طرح بیان کرے کہ اس کی شاعری کو پڑھنے والے پر ویسے ہی اثرات مرتب ہو جائیں۔ شاعر کے احساس میں مختلف محرکات کا دخل ہوتا ہے، شاعر کا ماحول و خاندانی حالات، معاشرتی و سیاسی حالات جو یہ سب اتار چڑھاؤ کا شکار رہتے ہیں۔ حسیت کا ایک حصہ حسیات ہوتا ہے جو ہمارے جسم کے حواسِ خمسہ کی کارفرمائی سے نکھر آتی ہیں: ''ہمارے جسم کے حسی اعضا میں سے کوئی عضو کسی خارجی واقعے سے متأثر ہوتا ہے اور تأثر کو اعصاب کے ذریعے مغز تک ارسال کرتا ہے مغز اس میں فوری ردعمل کے طور پر مزید تبدیلیاں کر کے اسے رنگوں، آوازوں، ذائقوں اور خوش بوؤں یا حیرت، خوف، غم و غصہ اور محبت کے جذبوں کی صورت میں دیکھتا ہے یا محسوس کرتا ہے اور اس عمل سے باری باری تأثرات اور خیالات خلق ہوتے ہیں۔ خارجی حالات انسانی جسم اور جسم کی حسی قوتوں پر اثر انداز ہو کر انسانی شعور کو متعین کرنے میں بنیادی رول ادا کرتے ہیں۔''(۱)

منیر نیازی اور فریدون مشیری رومانویت کے مزاج پر اپنے عہد کے ردعمل میں اپنی کیفیات کی تصویر کشی کرتے ہیں اور اس تصویر کشی میں حسیات سے متعلق بہت مثالیں ان کے شعری مجموعوں میں نظر آتی ہیں۔ ان کی نظمیں حواسِ خمسہ کا سہارا لیتے ہوئے ایک دیرپا تأثر پیدا کرتی ہیں اور ان کا جذبہ اور خیال جمالیاتی پہلو اختیار کر لیتے ہیں اور اسی طرح حسیات مختلف موضوعات میں کلیدی طرز بن کر ابھر آتی ہیں۔ یہاں ان کے چند مشترک موضوعات و حسیات کے حوالے سے جائزہ لیا جا رہا ہے۔

ماضی اور حسیات

انسان کا فطرتاً ماضی کی طرف میلان رہتا ہے۔ چاہے کسی مزاج کا بھی ہو۔ یہ میلان رومانوی شاعروں میں اور گہرائی سے پایا جاتا ہے۔ ''رومانویت فاصلے کی عکاسی کرتی ہے؛ مرکز سے فاصلہ، لہٰذا رومانوی شعرا حال کی حقیقت سے بچنے کے لیے ماضی، بچپن اور زندگی کے ابتدائی دور میں پناہ مانگ لیتا ہے تاکہ مستقبل کے خواب دیکھ سکے۔''(۲)

اردو اور فارسی شاعری میں ماضی کی یاد بکثرت نظر آتی ہے، کبھی شاعر گزشتہ کی یادوں کے ساتھ اداس ہوتے ہوئے قنوطیت کا شکار ہو جاتا ہے، کبھی خوشی محسوس کر کے رجائیت میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ کئی شاعروں کے ہاں یہ

ISSN: 2519-6332 (Print), ISSN: 2708-1915 (Online)

خصوصیت بڑے پیمانے پر نظر آتی ہے کہ شاعر کو رومانوی شاعر کا لقب دیا جاتا ہے جس میں شاعر ماضی میں ڈوبا رہتا ہے۔ منیر نیازی اور فریدون مشیری نے بیتے دنوں کو اپنی حسیات کے تلازمات سے خوب صورتی کے ساتھ منعکس کیا ہے۔

بیسویں صدی کے دوسرے حصے کی دہائیوں میں اردو شعرا میں ماضی کی طرف دیکھنے کا رجحان بڑھتا گیا۔ ان شعرا نے اس بات کو محسوس کیا ہوگا کہ موجودہ مادی اور کاروباری زندگی انسان کا روایت سے رشتہ ختم کرتی جارہی ہے۔ منیر نیازی ایسے شاعر ہیں جنھوں نے اپنے موجودہ حالات کو ماننے کے ساتھ ساتھ اپنے وجود کا تقاضا بھی سمجھتے ہوئے آگہی سے یہ رشتہ برقرار رکھنے کے لیے منفرد رویہ اختیار کیا۔'' جب ہم منیر نیازی کی شاعری کا مطالعہ کرتے ہیں تو قدیم زمانوں، موجودہ عہد اور آئندگاں میں خوابیدہ رتوں کے ذائقوں سے آشنا ہوتے ہیں۔ منیر نیازی انسانی ذہن کی ان دریافتوں کا نام ہے جو ابھی بطن کائنات میں خوابیدہ ہیں اور اس کی شاعری آنے والے صبحوں کی بشارت کی مانند ہے جس کی نشانیاں ہمیں ماضی میں بھی ملتی ہیں۔''(۳)

منیر نیازی ماضی کے سمندر میں تیرتے ہوئے مستقبل کے خوشگوار خواب بھی دیکھتے ہیں۔ کہیں بچپن کی یادوں کی موج ان کو ساحل تک پہنچا دیتی ہے، کہیں گاؤں کے خوب صورت مناظر، کہیں پُرکشش موسم، کہیں ماضی سے وابستہ کسی چیز کی سرسراہٹ۔ ایسا لگتا ہے کہ حواسِ خمسہ ان یادوں کو پوری طرح محسوس کرنے میں جاگتی ہیں۔ منیر میں اپنے بچپن کی کیفیات بس چکی ہیں، مثال کے طور پر وہ بچپن سے اب تک کھلے باغ دیکھنے سے حیران ہوجاتے ہیں بلکہ باغوں کی وسعت سے ان کی آنکھوں اور فکر میں بھی وہی وسعت پیدا ہوجاتی ہے۔ وہ ایک نظم میں بصری امیج '' کھلے باغ'' کو معنی خیز اور گہرائی سے استعمال کرتے ہیں:

میں جیسا بچپن میں تھا اسی طرح میں اب تک ہوں/ کھلے باغ کو دیکھ دیکھ کر/ بری
طرح حیران/ آس پاس مرے کیا ہوتا ہے/ اس سب سے انجان(۴)

منیر کا تعلق ان شعرا کی جماعت سے ہے جن کو ہجرت سے دوچار ہونا پڑا۔ منیر کے دل و دماغ پر ماضی کی یادیں تحرک پیدا کرتی ہیں جو اپنی توصیفات کے ساتھ سبز در، مندروں کی مورتیں، پہاڑوں کی دراڑ، آم کے تاریک باغ، بڑوں کے قہقہے اور چشم ولب کے جگمگٹے جیسی تصاویر سے حسِ باصرہ اور حسِ سامعہ کی محرک بھی بن جاتی ہیں:

خان پور!... اے خان پور! تیری گلیوں میں تھیں کیسی پیاری پیاری صورتیں/
مسجدوں کے سبز در اور مندروں کی مورتیں/... کنڈ پانی کے پہاڑوں کی دراڑوں

ISSN: 2519-6332 (Print), ISSN: 2708-1915 (Online)

میں چھپے/ صوفیوں کی خانقاہیں تیری حد سے کچھ پرے/ آم کے تاریک باغوں
میں ہوا چلتی ہوئی/ قوس اک رنگوں کی کوہ و دشت پر ڈھلتی ہوئی/... تیرے چپ
دیوان خانوں میں بڑوں کے قہقہے/ شادیوں کی محفلوں میں چشم ولب کے جگمگٹے(۵)

منیر بوڑھے پن میں اپنے بیتے سالوں پر نظر ڈالتے ہوئے ان میں اتار چڑھاؤ کی مختصراً تصویر کشی کرتے ہیں جس میں روحوں کی ہار، خموش چہروں سے خزان جیسا منظر اور رخ والوں کی یادوں سے بہار جیسا منظر آنکھوں کے سامنے آجاتا ہے:

بساطِ زیست پہ روحوں کی ہار کتنی ہے/ خموش چہرے ہیں ان میں پکار کتنی ہے/
زوالِ عمر ہے اور یادیں رخوں کی ہیں ہر سُو/ خزاں کے بیچ میں فصل بہار کتنی ہے(۶)

یہاں ''خموش چہرے میں پکار'' ایک ایسی بصری اور سمعی امیج کو ساتھ بیٹھا دیتا ہے جس میں تضاد بھی نظر آرہا ہے۔ پری رخوں اور خزان و بہار کا ذکر بصری حس کی امیج ہیں۔ ''نظم بساط زیست میں شاعر، احساس زوال عمر کے پس منظر سے، شہر کے تمام حسین منظروں کو بھی محسوس کرتے ہیں اور یہ منیر کا رجائی اور امید افزا زاویہ ہے جو اس کی جمال پسندی کا ایک اہم حوالہ بھی ہے۔''(۷)

رومانوی شاعر کسی بھی طرح اپنے موجودہ وقت سے فرار ہونے کی کوشش کرتا ہے اور ماضی، تخیل اور خوابوں میں پناہ لیتا ہے۔ پرانے اور کھوئے ہوئے مقامات کی خاموش جگہوں کی تفصیل کے ساتھ بچپن اور ماضی کی طرف لوٹنا، رومانوی شاعری کی شعری فضا کو دھندلا دیتا ہے۔ فریدون مشیری اپنی شاعری میں ایک لمحے میں بھی اپنے بچپن اور ماضی کے خیال سے نکل نہیں جاتے۔ ماضی کی یادوں اور اس سے متعلق حادثات و واقعات کی تصویر کشی کے لیے مشیری اپنی حسیات کو اپنے تصرف میں لیتے ہوئے تمام دکھوں کو اپنی شاعری میں سمیٹ لیتے ہیں۔ نظم ''آئینہ شکستہ'' میں مشیری اپنے ماضی اور جوانی کی یاد میں رہتے ہوئے ان کے آنسو، غم کا آئینہ بن کر سارے نظارے کی عکاسی کرتے ہیں یہ تصویر کاری حسیات کے حوالے سے بصری امیج کے نمونے بنتی ہے:

رویای خاطرات غم انگیز زندگی، تا یک نفس بہ سینہ بود ہمدم من است/ وین اشک
ہا کہ ریختہ بر روی دفترم، آیینہ تمام نمای غم من است۔(۸)

نظم ''خورشید'' میں شاعر محبت اور حقیقت کی تلاش میں بھٹکتے ہوئے مایوس ہوتا ہے اور پرانی محبتوں اور یادوں کو الوداع کہتا ہے اور دھندلی یادیں، اندھیرے راز اور پریشان چہرے کو قوتِ باصرہ اور کانپتی ہوئی یادوں اور جوانی کی موم بتی کے جلنے کو قوت لامسہ اور کڑوی جھلکیوں کو قوت ذائقہ سے ہمکنار کرتا ہے:

ISSN: 2519-6332 (Print), ISSN: 2708-1915 (Online)

بدرود عشق های کہن بدرود/ ای خاطرات محو و غبار آلود/ ای یادهای مبہم و لرزندہ/ ای چہرہ های مضطرب و مطرود/ ای رازهای خفتہ بہ خاموشی/ در ظلمت و سکوت شدہ مفقود/... از دورگاہ خاطرہ لرزان/ این جلوہ های تلخ ندار دسود/... عمری گداخت شمع جوانی را/ در آرزوی موہبت معبود(۹)

جہاں مشیری قنوطیت سے بچنے کے لیے نظم ''سوغات یاد'' (یاد کا تحفہ) میں اپنے بچپن کے دور سے متعلقات گلی، سکول اور گھر وغیرہ کی یاد دلاتے ہیں کہ شاید سرور کی جھلکیاں ان کے دل و دماغ پر پڑی ہوئی دھول کو مٹا سکیں یہاں بھی وہ حواس باصرہ، ذائقہ اور سامعہ کی مدد سے اپنے جذبات و مشاہدات کی تصویر کشی کرتے ہیں: خشک اور پیاسا صحرا، سرخ ہونے والی شام، خموش نگاہ قابل ملاحظہ ہیں:

این حیاط مدرسہ، این کبوترہای معصومی کہ ما، روزی بہ آن ہا دانہ می دادیم/ این ہمان کوچہ، ہمان بن بست، این ہمان خانہ، ہمان درگاہ، این ہمان ایوان، ہمان در... آہ!/ از بیابان های خشک و تشنہ، از ہر سوی صد فرسنگ/ در غروبی ارغوانی رنگ، با نشانی های گنگ و دور/ آمدم تا ہفت سال از سرگذشتم را، بشنوم شاید، از اشارت های یک در، از نگاہ ساکت یک پنجرہ، یک شیشہ، یک دیوار/ در حرم، در کوچہ، در بازار(۱۰)

کائنات اور حسیات

پرانے زمانے سے اب تک فطرت نگاری اور قدرتی مناظر اردو اور فارسی شاعری میں ایک اہم موضوع کے طور پر باندھا گیا ہے اور اس کی تصویر کشی وہ ہر دور کے حوالے سے ہمیں کچھ معلومات افزائی کا باعث بنتی ہے؛ کبھی موسموں کا سراغ لگاتی ہے، کبھی ہمیں کسی خطے کے بارے میں نیچر کی نشاندہی ہوتی ہے خاص طور پر اس رجحان کا سراغ رومانوی شاعری میں مل جاتا ہے۔ ''رومانوی شاعری میں کائنات فن کار کے لیے صرف مصوری کا حوالہ نہیں ہے بلکہ نیچر سے اس کا رشتہ بہت گہرائی کے ساتھ ہے اور جذباتیت کی نوعیت رکھتا ہے۔ رومانوی شعرا، قدرتی مناظر کی وضاحت کرنے کے بجائے اپنی اندرونی کیفیات اور حالات کو فطرت کے حوالے سے دریافت کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔''(۱۱)

منیر نیازی کی شاعری میں موسموں کے وصف اور ان کے حسن و خوبی کی جھلک صاف دیکھی جاسکتی ہے اور

ISSN: 2519-6332 (Print), ISSN: 2708-1915 (Online)

ساتھ ساتھ وہ ان سے پیدا شدہ انفرادی اور اجتماعی اثرات کی طرف بھی متوجہ ہوتے ہیں۔ وہ اپنے خیالات اور تأثرات کے اظہار میں تشبیہوں اور استعاروں اور تلازموں کے ذریعے حواس کو پوری طاقت کے ساتھ جگا دیتے ہیں۔ منیر نیازی کی ابتدائی نظموں حسن فطرت سے ایک خاص لگاؤ نظر آتا ہے جو آخر تک قائم رہتا ہے۔ ''قدرت کے خارجی مظاہر پر اردو میں، بے شمار نظمیں لکھی گئی ہیں اور اشعار کہے گئے ہیں مگر جس طرح شاعر کے ہاں، خارجی کائنات انسان کی باطنی کائنات کا ایک ناگریز حصہ بن کر رہ گئی ہے وہ اس دور میں منیر نیازی ہی ہے۔''(۱۲) ایسے منیر نیازی کی شاعری میں قدرتی مناظر اور کائنات سے متعلق حواس خمسہ کا سب سے بڑا ہاتھ ہے:

پھر ہری بیلوں کے نیچے بیٹھنا شام وسحر/ پھر وہی خوابِ تمنا پھر وہی دیوار و در/
بلبلیں، اشجار، گھر، شمس وقمر/ خوف میں لذت کے مسکن، جسم پر ان کا اثر/ موسموں
کے آنے جانے کے وہی دل پر نشاں/ سات رنگوں کے علم نیلے فلک تک پر فشاں/
صبح دم سونے محلے پھیکی سہ پہر/ پھول گرتے دیکھنا شاخوں سے فرش شام پر۔(۱۳)

''شام وسحر''، ہری بیلوں کے نیچے بیٹھنا''، ''بلبلیں''، ''اشجار''، ''گھر''، ''شمس'' و ''قمر''، ''سات رنگوں کے علم'' منیر نیازی یہ سب قوت باصرہ کے ذریعے مناظر کو ہم کنار کرتے ہوئے ان کو سکون کا باعث سمجھتے ہیں۔ البتہ یہاں ''موسموں کا آنا جانا''، حسنِ مناظر کی عکاسی کرتے ہوئے اپنے اندر، گہری معنویت رکھتا ہے اور خوب صورت رومانوی نظارہ پوری نظم کو حسن فطرت کی تصویر بنا دیتا ہے۔ ''منیر نیازی کا بچپن پنجاب کے ہرے بھرے کھیتوں میں دوڑتے کھیلتے گزرا تھا۔ پہاڑ، جنگل، بارش، صبح کے نظارے منیر کے ذہن ومزاج میں تازگی کے رنگ بھرے ہیں۔''(۱۴)

دوسری مثال سامنے ہے جس میں شاعر سورج ڈوبنے کا منظر ایسے بیان کرتا ہے جس کے اسلوب میں جدت اور طرزِ ادا میں ندرت ہے۔ ''غروبِ مہر کا منظر''، رودسیہ فام شام ''حسِ باصرہ''، ''گیاہ سبز کی خوشبو'' حسِ شامہ اور ''نیستان کی لرز'' حسِ لامسہ کی نشان دہی کرتے ہیں:

غروب مہر کا منظر گھڑی ہوئی گزرا، بس ایک پل کو نیستان اسی طرح لرزا/ گیاہ سبز
کی خوشبو اسی زمانے کی، اسی طرح کی مسرت بہار آنے کی/ وہی جمال در و سقف
و بام ہے میں ہوں/ کنارِ رودِ سیہ فام شام ہے میں ہوں(۱۵)

موجودہ ذیل کی نظم ''برسات'' میں شاعر جدائی کے لمحات سے گزرتے ہوئے اپنی کیفیات کو کائنات سے جوڑتے ہوئے اظہار اور ایک رومانوی فضا کی تصویر کشی کرتا ہے۔ اس نظم کا مرکزی امیج حسِ سامعہ سے وابستہ ہے جو بارش اور طوفان کی آواز کو سنائی دینے کے لیے اہم کردار ادا کر رہی ہے جو ساتھ ساتھ حس باصرہ کو اجاگر کر دیتا

ISSN: 2519-6332 (Print), ISSN: 2708-1915 (Online)

ہے۔ ''کانپتے پیڑوں کے ہات'' بھی حسِ لامسہ سے متعلق ہے اور پھر نظم اپنے اختتام پر حسِ سامعہ کی طرف لپٹ جاتی ہے:

آہ! بہ بارانی رات مینہ، طوفان، رقص صاعقات/ شش جہت پر تیرگی امڈی ہوئی/ ایک سناٹے میں گم ہے، بزم گاہ حادثات/ آسمان پر بادلوں کے قافلے بڑھتے ہوئے، اور مری کھڑکی کے نیچے کانپتے پیڑوں کے ہات، چار سو آوارہ ہیں/ بھولے بسرے واقعات، جھکڑوں کے شور میں، جانے کتنی دور سے/ سن رہا ہوں تیری بات[۱۶]

فریدون مشیری رومانویت کے راستے پر گامزن ہیں۔ رومانویت کا ایک اہم حصہ، فطرت پسندی ہے۔ ''حقیقت میں فطرت پسندی رومانویت کی اصلی-ترین بنیادوں میں سے ایک اہم رکن ہے۔''[۱۷] مشیری اپنی ذاتی اور معاشرتی دنیا کے مصائب سے نجات حاصل کرنے کے لیے قدرتی مناظر میں پناہ لیتے ہیں اور فطرت کی تصویر کاری کو اعلیٰ حد تک پہنچاتے ہیں۔ خوب صورت اور مشہور نظم ''خوش بہ حال غنچہ ہای نیمہ باز'' میں، حسِ باصرہ، شامہ اور ذائقہ کی اچھی مثالیں نظر آتی ہیں۔ شاعر بارش، گھاس، مٹی اور نرگس کی خوشبو میں حسِ شامہ اور بارش سے دُھلی ہوئی شاخ، نیلا آسمان، سفید بادل، درختوں کے سبز پتے، ہوا کا ناچ، میں حسِ باصرہ، پرندوں کی آواز میں حسِ سامعہ اور مست پرندوں کی گرم خلوت حسِ لامسہ اور شراب سے بھرا جام حس ذائقے کو بروے کار لاتا ہے۔

بوی باران بوی سبزہ بوی خاک، شاخہ ہای شستہ باران خوردہ پاک/ آسمان آبی و ابر سپید، برگ ہای سبز بید/ عطر نرگس، رقص باد، نغمہ شوق پرستوہای شاد، خلوت گرم کبوترہای مست/ نرم نرمک می رسد اینک بہار، خوش بہ حال روزگار، خوش بہ حال چشمہ ہا و دشت ہا، خوش بہ حال دانہ ہا سبزہ ہا/ خوش بہ حال غنچہ ہای نیمہ باز، خوش بہ حال دختر میخک کہ می خندد بہ ناز-خوش بہ حال جام لبریز از شراب، خوش بہ حال آفتاب[۱۶]

ذیل کی نظم میں، درختوں کی مناجات، پرستوؤں کی صبح سے بات چیت اور گل شقایق کا پہاڑ پر سانس لینا سمعی امیج اور ہوا کا گل یخ سے ناچ اور پھولوں کی رنگارنگی او رتازگی بصری امیج کے نمائندے ہیں۔ مشیری کی یہ لازوال نظم صبح سویرے کی تصویر کشی کرتی ہے یہ وہی وقت ہے جب کائنات میں ہر مخلوق اپنے دن کا اپنے طور پر اپنے خالق کی عبادت و تسبیح سے شروع کرتی ہے:

ISSN: 2519-6332 (Print), ISSN: 2708-1915 (Online)

من مناجات درختان را ہنگام سحر/ رقص عطر گل بیخ را با باد/ نفس پاک شقایق را در
سینہ کوہ/ صحبت چلچلہ ہا را با صبح/ نبض پایندہ ہستی را در گندم زار/ گردش رنگ و
طراوت را در گونہ گل/ ہمہ را می شنوم، می بینم(۱۹)

مشیری کی شاعری میں سورج ڈوبتے لمحات جلوہ افگنی کرتے ہیں۔ ان کے ہاں سورج ڈوبنے کا لمحہ، کسی اداس چہرے کی طرح ہے۔ ایک ماں جیسی جس کا عزیز مصیبت میں مبتلا ہے یا ایک شاعر جیسا جس کا دل کسی غم کی ظلمت سے بھرا ہو۔ مشیری سادی اور عام فہم زبان میں ان لمحات کی حس باصرہ کے سہارے سے منظر کشی کرتے ہیں:

تازہ خورشید کردہ بود غروب/ چہ غروبی، عبوس وحزن انگیز/ چون رخ مادری بلا دیدہ؛
کہ شود مات را در عزای عزیز/ یا دل شاعری بہ ظلمت غم(۲۰)

موت اور حسیات

موت ایک اہم تھیوری اور المناک سچائی ہے۔ مختلف متفکروں، اسلامی علما اور فلاسفی لوگوں کے ہاں موت کے بارے میں الگ الگ نظریات مل جاتے ہیں، شاعر بھی اس اہم عنصر سے لاتعلق نہیں رہا ہے۔ کم وبیش ہر شاعر نے موت کے موضوع پر اظہار خیال کیا ہے۔ بعض شعراء نے نشاطیہ انداز سے موت کا موضوع باندھا ہے، بعض شعرا نے خوف سے موت کو پیش کیا ہے کچھ شعرا موت کے بارے میں سوچ سوچ کے قنوطیت کا شکار ہوجاتے ہیں اور کچھ شعرا ایسے ہیں کہ ان کے کلام میں شروع سے آخر تک موت کے حوالے سے جو نظریات ہیں ان میں اتار چڑھاؤ مل جاتا ہے۔ کسی شاعر کی موت سے متعلق شاعری کا مطالعہ کرکے اس کے ذہن وتصور کا سراغ مل جاتا ہے۔ ان کیفیات ونظریات کو ظاہر کرنے کے لیے منیر نیازی اور فریدون مشیری نے حسیات کو توانائی کے ساتھ اپنی شاعری میں برتا ہے۔

منیر نیازی نے موت کو ایک المناک لیکن جمالیاتی انداز کے طور پر محسوس اور بیان کیا ہے: ''بے شک موت کی قربت کا احساس بھی منیر نیازی کی نظموں میں موجود ہے۔ اس کے ہاں موت کا کرب محض اس لیے شدت اختیار نہیں کرسکا کہ منیر نے خود کو نہایت نازک، سبک پا اور ملائم یادوں میں گم کردیا۔''(۲۱)

محمد سلیم الرحمٰن منیر نیازی کی شاعری میں ہوا، شام اور موت کو تین اہم علامتیں کہتے ہوئے لکھتے ہیں: ''شام دل میں بھی ہوتی ہے اور آسمان پر بھی۔ اندھیرا جھک آنے پر روشنی کی موت کا سوگ ہوا یا شاعر کے سوا کون منا سکتا ہے... منیر مسافر بھی تو ہے شام کا مسافر، دراصل یہ سفر ہے ایسی چیز ایک دفعہ آدمی چل کھڑا ہوا تو پھر لوٹتا نہیں۔''(۲۲)

ISSN: 2519-6332 (Print), ISSN: 2708-1915 (Online)

منیر نے اپنی شاعری میں مختلف مقامات پر ان مانوس الفاظ کو اس طرح برتا کہ ان کے ساتھ ساتھ نئے مفاہیم اور تلازمے منسلک ہونے لگے۔ وہ کہیں کہیں ان تینوں کو علامت کے طور پر ملا بھی دیتے ہیں۔ انھیں ہوا کی سرسراہٹ میں موت کی صدا سنائی دیتی ہے؛ ڈھلتی شام میں خوف و فنا کی آہٹ محسوس ہوتی ہے اور اندھیرا چھاتے ہی منیر موت کے سوگ میں ڈوب جاتے ہیں۔ منیر کی دو نظمیں ملاحظہ فرمائیں جس میں شب کی آمد او رمرگ کا قاصد اور ہوا کا ذکر انھوں نے کس خوب صورت انداز سے کیا ہے اور ان سطروں میں ''دیے نہیں جلے''، ''تیرگی میں درخت''، ''پرندوں کا اڑ جانا''، ''مرگ آرزو میں ہوا کا غم'' اور'' پہاڑیوں کی طرف رخ'' قوتِ باصرہ کی نمائندگی کرتے ہوئے حسیاتی شاعری کے لیے اچھی مثالوں میں شامل ہوتے ہیں:

دیے ابھی نہیں جلے/ درخت بڑھتی تیرگی میں چھپ چلے/ پرند قافلوں میں ڈھل
کے اڑ چلے/ ہوا ہزار مرگ آرزو کا ایک غم لیے/ چلی پہاڑیوں کی سمت رخ کیے(۲۳)

اس نظم کی طرف آتے ہیں جس میں ''ہوا کی آواز''، ''خشک پتوں کی سرسراہٹ''، ''پھولوں کے نوحے''، ''بلند پیڑوں پر سلیٹی شاموں کا غل مچانا''، ''خزاں کی آواز''، ہماری حسِ سامعہ کے لیے اور ''روش پر فتادہ پھول''، ''سلیٹی شامیں'' اور'' سیاہ کوّوں کے قافلے'' حس باصرہ کے لیے کشش رکھتے ہیں۔ یہ سب توصیفات سلیٹی اور سیاہ کے رنگ مایوسی اور غیر یقینی فضا کا احساس دلانے میں کارآمد ثابت ہوتی ہیں:

ہوا کی آواز/خشک پتوں کی سرسراہٹ سے بھر گئی ہے/ روش روش پر فتادہ
پھولوں نے/ لاکھوں نوحے جگا دیے ہیں/سلیٹی شامیں، بلند پیڑوں پہ غل مچاتے/
سیاہ کوؤں کے قافلوں سے اٹی ہوئی ہیں/ ہر ایک جانب خزاں کے قاصد لپک
رہے ہیں/ ہر ایک جانب خزاں کی آواز گونجتی ہے/ ہر ایک بستی کشاکشِ مرگ و
زندگی سے نڈھال ہوکر/ مسافروں کو پکارتی ہے کہ... '' آؤ، مجھ کو خزان کے بے
مہر، تلخ احساس سے بچاؤ''(۲۴)

منیر نیازی نے نظم'' موت'' پُرکشش بصری امیج پیش کرتے ہوئے اپنی تخلیقی توانائی کا ثبوت فراہم کیا ہے۔ منیر نیازی نے موت کو کسی نازنین سے تشبیہ دی ہے اور نازنین وہ ہے جو طلسمی رنگ لیے ہوئے ہے:

ہر طرف خاموش گلیاں زرد رو گونگے مکیں/ اجڑے اجڑے بام و در او رسونے
سونے شہ نشیں/ ممٹیوں پر ایک گہری خامشی سایہ فگن/ رینگ کر چلتی ہوا کی بھی
صدا آتی نہیں۔(۲۵)

ISSN: 2519-6332 (Print), ISSN: 2708-1915 (Online)

یہ نظم پورے ماحول پر موت کی زردی چھاجانے کا عجیب بصری امیج پیش کرتی ہے۔گلیوں کی خاموشی یہاں گونجتی ہی نظر آرہی ہے، یعنی ایک سکوت مرگ چھایا ہوا ہے۔ گہری اداس، چپ کی حکمرانی، اجڑے ہوئے در و بام حاوی ہیں جہاں کے مکین زرد اور گونگے ہیں۔ یہاں زرد یعنی پیلا رنگ، موت سے پیدا شدہ درد وغم کو دلچسپ انداز میں باورکرادیتا ہے۔منیر نیازی کی شاعری میں موت سے متعلق شمیم حنفی رقم طراز ہیں:

> منیر نیازی کا شعور اس دنیا کے گرد اپنے جال پھیلاتا ہے۔اس پر کسی ایک زمانے ایک شخص کے نام کی تختی نہیں لگی ہوئی ہے۔ یہاں جو کچھ ہے وہ نہیں بھی ہے۔ ابہام کی اس کیفیت نے منیر نیازی کی شاعری کو ایک مستقل بھید بنادیا ہے جسے نہ تو ہم اپنی تاریخ کے حوالے سے کوئی نام دے سکتے ہیں اور نہ اپنے زمانے کی عام تخلیقی حسیت کے حوالے سے، نہ کسی خاص تحریک، میلان یا ادبی گروہ اور حلقے کے حوالے سے۔(۲۶)

مشیری نے اپنی نظموں میں موت کو موضوع سخن بنایا ہے۔کبھی کبھی اسے ناگوار قرار دیتے ہیں، کبھی زندگی کی ناہمواریوں سے رنجیدہ ہوکر موت کی آغوش میں پناہ لیتے ہیں، کبھی کبھی وہ انسانوں کے ہاتھوں سے ہونے والی ہلا کتوں پر اپنی ناراضگی کو ظاہر کرتے ہیں۔''مشیری ایک رومانوی شاعر ہے اورفطری طور پر ایک نازک روح کا مالک ہے، اس لیے معاشرے کے مسائل سے متاثر ہوکر ایک طرح کی مایوسی اور موت کی سوچ سے دوچار ہوتا ہے۔''(۲۷) اوران حساس جذبات کو شاعر کسی حسی اور حسیاتی کلام کے بغیر اظہار نہیں کر پاتا ہے۔

موت ایسا شہر ہے جس کا ایک دروازہ سنہرا ہے یعنی مشیری نے موت کے لیے ایک بصری تشبیہ وضع کی ہے جس سے موت کو موضوع سخن بنانے کے باوجود دروازہ سنہرا ہونے سے ان کے لہجے میں دھیما پن اور گھلاوٹ پیدا ہوتی ہے:

> ای رہنورد خستہ چہ نالی ز سرنوشت/ دیگر تو را بہ منزل راحت رسیدہ است/ دروازہ طلایی آن را نگاہ کن/ تا شہر مرگ راہ درازی نماندہ است(۲۸)

مشیری اپنی سوچ اور تفکر کے مطابق دنیا کے اقدار پرندہ، پھول، عشق، آسمان، بلبل، مئے، دوست، پتے اور سیدھی سی بات جیسے سمجھتے ہیں جن کی غیر موجودگی موت کے برابر ہے؛ دھوکا، برائی اور تیرگی یہ سب موت ہی موت ہیں ورنہ اس دنیا سے رخصت کرانے والی موت کا کوئی خوف ان کے دل پر پیدانہیں ہوتا۔ چاہے موت کتنی بھیانک صورت کی ہومگر دوست کی طرف سے ملی ہوئی زیادتی موت سے زیادہ خوفناک ہے۔مشیری کے نزدیک موت کا جوتصور ہے اس کو حسِ باصرہ کے ذریعے سمجھاتے ہیں:

ISSN: 2519-6332 (Print), ISSN: 2708-1915 (Online)

مرگ یعنی: پرندہ نہ، گل نہ، عشق نہ، آسمان نہ، بلبل نہ،/ مرگ یعنی این جہان، گم، گور دور، دور از تمام ہستی دور/ مرگ؛ یعنی پلید، زشت، سیاہ/ مرگ یعنی نہ آفتاب، نہ ماہ/ مرگ یعنی نہ می، نہ دوست، نہ برگ، سخن سادہ؛ مرگ یعنی مرگ... ہر چہ گویی ز قہر این دشمن/ رہ نیابد ہراس در دل من مگر اگر اژدہای ہفت سر است/ پیش من جور دوست سخت¬تر است (۲۹)

فریدون مشیری کی موت کے حوالے سے اپنے خیالات کی تصویر کشی ان سطروں میں ماہرانہ خیال پردازی سی دکھائی دیتی ہے۔ وہ نسیم زرد (پیلی نسیم) اور دیوار کے کنارے اور سوکھے پتے سے حسِ باصرہ اور سرد سورج سے حسِ لامسہ سے کام لیتے ہیں۔ نسیم زرد موت پر اشارہ کرتی ہے اور کیوں کہ موت قابل دید عمل نہیں اور صرف اس کی معلول محسوس کی جاتی ہے:

یک روز پس از غروب تو اند بود/ وقتی نسیم زرد، خورشید سرد را چون برگ خشکی از لب دیوار رانده است (۳۰)

جیسے منیر تاریخی جبر سے پریشان تو ہیں مگر وہ موت کی آغوش میں پناہ لیتے مشیری کبھی کبھی زندگی کی دشواریوں سے خفا ہو کر موت کا سہارا لیا کرتے ہیں مگر پھر بھی دوبارہ زندگی کی طرف لوٹ کر اس کی آغوش میں ہی سکون لیتے ہیں۔ منیر موت کی خواہش کے بجائے مختلف تصاویر پیش کرتے ہوئے آگے نکل جاتے ہیں اور روایت ان کے پیچھے رہ جاتی ہے۔ اس منفرد رویے کو انھوں نے مختلف قسم کی حسیات کے پیرایۂ اظہار میں پیش کیا ہے۔

خوف اور حسیات

خوف کا احساس ہر شاعر کے عصری و خاندانی حالات او راس کے مزاج سے وابستہ ہے۔ پیار کھو جائے، دہشت گردی پھیل جائے، تنہائی کا احساس ہوتا ہو، موت کی فکر سوار ہو تو خوف کی کیفیت طاری ہوتی ہے۔ خوف، دہشت اور پراسراریت منیر نیازی کی نظم کا بڑا منفرد حوالہ ہے۔ یہاں تک کہ منیر مافوق الفطرت عناصر، جادوئی مناظر اور ایک عجیب طلسماتی فضا سے مزید خوف سے بھرپور شاعری پیش کرتے ہیں اور اس خوف کے اظہار میں پورے طور پر اپنی حسیات کو بروئے کار لاتے ہیں:

رات کی اونچی فصیلوں پر دمکتے، لال ہونٹوں والی کالی جشنیں خنجر بکف/ اور فصیلوں سے گھرے جادو بھرے شہروں کی دھندلی روشنی میں ہر طرف/ چھا رہا

ISSN: 2519-6332 (Print), ISSN: 2708-1915 (Online)

ہے کھڑکیوں پر سرنگوں، پھولوں بھری بیلوں کا رنگیں سلسلہ/ لگ رہا ہے سرخ ریشم
سے سجے کمروں میں شرمیلی نگاہوں کا رسیلا جمگھٹا(۳۱)

یہ تمام تراکیب، رات کی اونچی فصیل، لال والی ہونٹ، شہر کی دھندلی روشنی، بجتے دف، اور اسی فضا میں ''گیت گاتی دلہن'' حس باصرہ اور سامعہ اور خنجر بکف حسِ لامسہ کے سہارے سے ایک طلسماتی امیج کو ابھارتے ہیں۔ اس کے بعد چھ اطراف میں پھیلتی ہوئی تاریکی میں، مور پنکھوں کی صدا، لمحہ بہ لمحہ بڑھنے لگتی ہے اور کھڑکیوں پر پھولوں اور ہری بیلوں کا رنگین سلسلہ چھانے لگتا ہے۔ کمروں میں شرمیلی نگاہوں کا ہجوم ایک عیش طرب کا سماں پیدا کرتا ہے۔ ''منیر کی شاعری میں انسانی ذات اس کے وہم اس کی تنہائی کٹے پھٹے تجربات پیچیدہ علامتوں کے ساتھ حسیاتی اور چونکا دینے والے انداز میں رونما ہوتے ہیں۔''(۳۲) یہ نظم احساسات میں ایک تلاطم پیدا کرتی ہے۔

بعض اوقات منیر کا خوف ان کی تنہائی سے پیدا ہوتا ہے۔ محفل میں بھی ہوتے ہوئے وہ اکیلے پن کا شکار رہتے ہیں۔ نظم ''صدا بہ صحرا'' اس خوف کی جیتی جاگتی مثال ہے جس میں شاعر اپنی صدا تنہائی سے خوف کی کیفیت کو بصری اور سمعی اور لامسہ کی حواس سے دلاتا ہے جو'' اندھیرا''، ''گھٹا گھنگھور''، ''بھاری دروازہ''، ''چپ'' اور ''تیز ہوا کا شور'' سے واضح نظر آتی ہے:

چاروں سمت اندھیرا گھپ ہے اور گھٹا گھنگھور/ وہ کہتی ہے کوں؟/ میں کہتا ہوں
میں/ کھولو یہ بھاری دروازہ/ مجھ کو اندر آنے دو/ اس کے بعد اک لمبی چپ اور تیز
ہوا کا شور(۳۳)

نظم ''بھوتوں کی بستی'' میں چند ایسے کرداروں سے متعارف ہوتے ہیں جن کے منہ موت کی مانند زرد ہیں اور آنکھیں خوف ناک ہوگئی ہیں۔ ان کے جسموں سے خوں خواری، سرخ لہو کے دھبے بن کر ابھر رہی ہے، یہ حسِ باصرہ کے حوالے سے اہم نظم ہے، خاص طور پر دو رنگ پیلا اور سرخ یہ خوفناک فضا پیدا کرنے میں اہم کردار ادا کرتے ہیں۔ ''گلے میں زہری ناگ'' حسِ ذائقہ کو اکساتا ہے۔ آگ ایک طاقت اور اقتدار کی علامت ان کے سروں پر جلتی نظر آتی ہے اور یہ حسِ لامسہ اور باصرہ کے مصداق ہے:

پیلے منہ اور وحشی آنکھیں، گلے میں زہری ناگ/ لب پر سرخ لہو کے دھبے، سر پر
جلتی آگ(۳۴)

فریدون مشیری کی شاعری میں خوف اکثر موت سے پیدا ہوتا ہے۔ موت کے علاوہ کہیں جنگ اور سیلاب سے پیدا شدہ نقصانات اور کہیں تنہائی کی وحشت اور اسی طرح انسانوں کی جہالت و نادانی بھی ان کی شاعری میں

ISSN: 2519-6332 (Print), ISSN: 2708-1915 (Online)

خوف کا سبب بنتے ہیں۔ اس خوف کی تصویر کشی انھوں نے اپنی پوری حسیات کے ذریعے کی ہے۔ مشیری موت سے پیدا شدہ خوفناک احساس کو اجاگر کرنے کے لیے ٹھنڈ ونمناک نسیم کو بروئے کار لاتے ہیں اور قوت لامسہ کو دوسری تصویروں کے ساتھ جگاتے ہیں۔ وہ اپنے اکیلے پن کا اظہار کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ غصہ والے ہاتھ نے دروازہ کھٹکھٹایا اور ٹھنڈی ہوا سے میری جان کانپنے لگی ایسے موت نے اپنے چنگل سے مجھ کو پکڑ لیا:

ای آفرین رنج! انتہای تنہا می کشیدم انتظارت/ ناگاہ دستی خشمگین مشتی بہ در کوفت، دیوار ہا در کام تاریکی فرو ریخت/ لرزید جانم از نسیمی سرد ونمناک، آنگاہ دستی در من آویخت/... دانستم این ناخواندہ مرگ است(۳۵)

مشیری نے اپنی نظموں میں بار بار جنگ کے خلاف، آواز اٹھائی ہے اور خوفناک فضا کی عکاسی کی ہے۔ وہ چند سطروں میں وحشت کے رنگ، بہت گرم گولیوں کی آواز اور موت کا ہاتھ، سے مختلف حواسِ باصرہ، سامعہ اور لامسہ سے برمحل فائدہ اٹھاتے ہیں:

رنگ وحشت بہ لحظہ ہا آمیخت / پر خونین بہ شاخہ ہا آویخت... دیر گاہیست در فضای جہان، آتشین تیر ہا صدا کردہ/ دست سوداگران وحشت ومرگ، ہر طرف آتشی بہ پا کردہ(۳۶)

جیسا اشارہ ہوا مشیری کے نزدیک خوف کی ایک خاص وجہ انسانوں کی جہالت اور لاعلمی ہے۔ ایک شعری مثال میں انسان کو دیکھنے اور سننے کی صلاحیت نہ ہونے سے وہ خوف کا شکار ہوتے ہوئے کانپتے ہیں، ایسے وہ لامسہ، سامعہ اور بصری حواس کو جوڑتے ہیں:

سرانجان بشر را این زمان اندیشناکم سخت، بیش از پیش، کہ می لرزم بہ خود از وحشت این یاد/ نہ می بیند، نہ می خواند، نہ می اندیشد این ناسازگار، ای داد...(۳۷)

تنہائی اور حسیات

تنہائی کا احساس جدید شعرا میں عام موضوع کی حیثیت رکھتا ہے۔ وہ اپنے دور کے احساس قصور، خوف، تنہائی اور ذہنی تناؤ کی کشمکش میں رہتے ہیں۔ کئی شعرا تنہائی کو زندگی کا جبر سمجھ کر شکوہ کرتے ہیں۔ گویا ان شعرا کے یہاں تنہائی احساسِ شکست کا نتیجہ ہے۔ دونوں شعرا کے ہاں تنہائی کا عنصر ایک لازم جزو بن کے رہ گیا ہے، چاہے معشوق سے دوری کی تنہائی ہو چاہے محفلوں میں ہوتے ہوئے بھی تنہائی پن کا احساس ہو اور چاہے شہری زندگی

ISSN: 2519-6332 (Print), ISSN: 2708-1915 (Online)

میں پیدا ہونے والی تنہائی ہو، یہ احساس شاعری میں جھلک اٹھتا ہے۔

منیر نیازی کی شاعری میں تنہائی بنیادی محور ہے لہٰذا ماضی کی یادوں سے وابستہ تنہائی کا ذکر کسی نہ کسی طور پر کرتے رہتے اور اس کے لیے حسیات کو مرکز توجہ بنایا ہے۔ بقول احمد ندیم قاسمی: ''بعض اصحاب کہتے ہیں کہ منیر نیازی تنہائی کا شاعر ہے۔ مشکل یہ ہے کہ ہر اچھا فن کار تنہا ہوتا ہے... وہ اس بدصورت دنیا میں خوب صورتیوں کا متلاشی ہے یہی وجہ ہے کہ اس کی تنہائی کروڑوں ہم نفسوں اور ہم نصیبوں سے آباد ہوتی ہے۔[۳۸] منیر نے زندگی کے ہر لمحے میں اپنے محسوسات و کیفیات کو نظم کے سانچے میں ڈھالا ہے۔ وہ اسی وقت تنہائی اور بے چینی کا اظہار کرتے ہیں جب ان کے وجود کی گہرائی سے فریاد جیسی صدا بلند ہوتی ہے۔

کہیں وہ براہِ راست تنہائی کا اظہار کرتے ہیں اور کہیں اپنے اندر اور ماحول کی منظر نگاری کے ذریعے تنہائی کا احساس دلاتے ہیں اور ہر انداز میں وہ حسیات کا خوب سہارا لیتے ہیں۔ یہاں وہ ہر سطر میں تنہائی کی تصویر سازی کر رہے ہیں جیسے فضا کے ہر نقطہ سے بے کسی کی کھٹک ٹپک رہی ہے:

> سڑکوں پہ بے شمار گلِ خوں پڑے ہوئے/ پیڑوں کی ڈالیوں سے تماشے جھڑے ہوئے/ کوٹھوں کی ممٹیوں پہ حسیں بُت کھڑے ہوئے/ سنسان ہیں مکان کہیں در کھلا نہیں/ کمرے سجے ہوئے ہیں مگر راستہ نہیں/ ویراں ہے پورا شہر کوئی دیکھتا نہیں/ آواز دے رہا ہوں کوئی بولتا نہیں[۳۹]

چناں چہ دیکھتے ہیں شاعر اپنے آپ کو ویران شہر میں تنہا محسوس کر رہا ہے جس میں نہ کوئی دیکھنے میں آتا ہے نہ کسی کی آواز سننے میں آتی ہے اور پورا مکان سنسان ہی سنسان ہے۔ منیر نیازی نے اس خاموش منظر کی اچھی تصویر کشی کے لیے امیجز کا استعمال کیا ہے، حس باصرہ اس میں مرکزیت رکھتی ہے: ''سڑکوں پہ پڑے ہوئے گل خون''، ''پیڑوں کی ڈالیوں سے جھڑے ہوئے تماشے''، ''کوٹھوں کی ممٹیوں پہ کھڑے ہوئے حسین بت''، ''بند ہوئے در''، ''سجے ہوئے کمرے'' اور ''ویران شہر میں کسی کی ناموجودگی'' اور اسی طرح ''شاعر کی آواز'' دیکھنے کی قوت اور ''کسی کا بولنا'' سننے کی قوت کو ابھارتے ہیں۔ منیر جب اپنی تنہائی کا عالم بیان کرتے ہیں ایک یا دو فقروں پر اکتفا نہیں کرتے بلکہ اس کا پورا پس منظر تیار کرتے ہیں جس میں ہر چیز اور ہر منظر خود تنہائی کا مظہر بنتی ہے۔ منیر کی نظم ''تنہائی'' دیکھیے جس میں انھوں نے اپنی تنہائی کا عالم، گھر، گلاب اور دیوار علامت بن کر پیش ہوئی ہیں:

> میں، نکہت او رسونا گھر/ تیز ہوا میں بجتے در/ لمبے صحن کے آخر پر/ لال گلاب کا تنہا پھول/ اب میں اور یہ سونا گھر/ تیز ہوا میں بجتے در/ دیواروں پر گہرا غم/ کرتی

ISSN: 2519-6332 (Print), ISSN: 2708-1915 (Online)

ہے آنکھوں کو نم/ گئے دنوں کی اڑتی دھول[۴۰]

''سونا گھر''، ''لمبے صحن کے آخر پر لال گلاب کا تنہا پھول''، ''آنسوؤں سے بھری ہوئی آنکھیں'' اور ''گئے دنوں کی اڑتی دھول'' یہ ساری توصیفات ایک ایسی بصری تصویریں ہیں۔ ''تیز ہوا میں بجتے در'' بھی سماعتی تصویر ہے جو تنہائی کی فضا کا احساس دلاتے ہیں۔ یہاں پھول حس باصرہ کے ساتھ ساتھ قوت شامہ کو بھی بیدار کرتا ہے۔

جدید شہری علاقوں نے انسان کی تنہائی اور کرب میں اضافہ کیا ہے۔ جیسے جیسے شہر پھیلتے ہیں ان کی آبادی بڑھتی جاتی ہے ان میں آباد لوگوں کی تنہائی اور بیگانگی بڑھتی جاتی ہے۔ شاعر ان لوگوں کو جو اپنے پیاروں سے دور پڑے ہیں اور تنہائی میں اجنبی راستوں پر گمراہ ہو گئے ہیں اس طرح ظاہر کرتا ہے:

شام ہونے کو ہے/ شام ہوتے ہی سکھ بھری اک صدا/ جنگلوں سے گزرتی ہوئی
آئے گی/ دشت غربت کی ٹھنڈک ہوا، اپنے پیاروں سے دور/ اجنبی راستوں پر
بھٹکتے دلوں کو سلا جائے گی[۴۱]

''شام ہونا''، ''جنگلوں سے گزرتی ہوئی سکھ بھری آواز'' اور ''دشت غربت کی ٹھنڈک ہوا'' دیکھنے، سننے اور چھونے کی قوتوں کو ملا کر شاعر نے خوب صورتی سے تنہائی کی تصویر کشی کی ہے جو تنہا آدمی کی بے چینی اور آوارگی کا عکس ہوتا ہے۔

تنہائی انسانی جذبات کا ایک نمایاں ستون ہے اور کیوں کہ ادب انسانی سوچ اور حس کا عکس ہے، اس لیے تنہائی کا اظہار عالمی ادب کا ایک اہم جزو بن چکا ہے۔ یہ ایک ایسی پریشانی ہے جس کا انسان نے ہمیشہ سامنا کیا ہے خواہ تصوف کے حوالے سے خواہ عشق کے حوالے سے خواہ فلسفہ اور نفسیات کے حوالے سے۔ معاصر فارسی شاعری میں بھی یہ جذبہ رچ بس چکا ہے جس کا اہم نمونہ فریدون مشیری کی شاعری ہے۔ اس جذبے کی تصویر کاری انھوں نے حواسِ خمسہ کے ذریعے اچھے انداز میں کی ہے۔ مشیری کو نظم ''کابوس'' میں تنہائی کا خوف طاری ہوتا ہے؛ کوئی اس کی کہانی سے آشنا نہیں ہے، کوئی ان کی بات سمجھنے والا نہیں مل رہا ہے، وہ کڑھتا رہتا ہے، کوئی اس کے دروازے پر دستک نہیں دیتا:

خدایا وحشت تنہائیم کشت/ کسی با قصہ من آشنا نیست/ در این عالم ندارم ہمزبانی/
بہ صدا ندوہ می نالم روانیست/ شبم طی شد کسی بر در نکوبید/ بہ بالینم چراغی کس
نیفروخت/ نیامد ماہتابم برلب بام/ دلم از این ہمہ بیگانگی سوخت[۴۲]

ہم زبانی، کڑھنا، دروازے پر دستک نہ دینا، روشنی اور چاندنی کا فقدان، سمعی اور قوتِ بصارت اور دل کا

ISSN: 2519-6332 (Print), ISSN: 2708-1915 (Online)

جلنا قوتِ لامسہ کی مثالیں ہیں۔

تنہائی کی ایک اور تصویر ملتی ہے جو بارش کی فضا میں سامنے آتی ہے۔ شاعر خود کو کنواں کی تنہائی میں الجھتا ہوا محسوس کرتا ہے، ایسے میں خود کو ایسی بوند سے تشبیہ دیتا ہے جو اپنے دوستوں سے بچھڑ گیا ہے اور جیسے قطرہ کو سمندر میں ملنے کی خواہش ہے، شاعر بھی دوستوں کی انجمن سے جُڑنے کا خواہش مند ہے:

> با تب تنہائی جانکاہ خویش/ زیر باران می سپارم راہ خویش/ سیل غم در سینہ غوغا می کند/ قطرہ دل میل دریا می کند/ قطرہ تنہا کجا دریا کجا/ دور ماندم از رفیقان تا کجا/... در فضا، ہمچو من در چاہ تنہائی رہا/...(۴۳)

تنہائی کا بخار، حس لامسہ کو متوجہ کرتا ہے اور بارش کے نیچے چلنا اور تنہائی کا کنواں حس بصارت اور سینے میں غم سیلاب کا ہلچل مچانا حس سماعت کو دلکشی سے متوجہ کرتے ہیں جن سے تنہائی کی جیتی جاگتی تصویریں سامنے گھومتی نظر آتی ہیں۔

نظم ''در بیشہ زار یادہا'' میں عاشق پرانی یادوں کی محبت کو یادوں کی جنگل میں ڈھونڈھ رہا ہے، وہ تنہا ہے، خفا ہے، وہ اپنی کھوئی محبوب کی تلاش کر رہا ہوتا ہے۔ وہ اپنے تصورات کی تصویر کشی میں رات، کالا بادل، چاند کا پیلا پتا، اندھیرائی، وہم کی لہریں، صبح کا آسماں اور چاند کی سرمستی بولتے ہوئے بصارت کے ذریعے ایسی تمثیلیں تراشتے ہیں۔ اسی طرح ان کے تصور میں حسِ لامسہ سے متعلق ہاتھ میں ہوا نمایاں ہے۔ جیسا نظر آرہا ہے، مشیری رنگوں کے برمحل استفادہ سے اپنی قوتِ متخیّلہ کو رونق بخشتے ہیں:

> شب بود! تیرہ و ہنگامہ باد/ ناگاہ برگ زرد ماہ از شاخہ افتاد/ من ماندم و تاریکی و امواج اوہام/ در جنگل یاد/... در بیشہ زار یادہا، تنہای تنہا/ افتادہ بودم باد در دست/ در آسمان صبحدم ماہ/ می رفت سرمست(۴۴)

نتیجہ

منیر نیازی اور فریدون مشیری نے اردو اور فارسی شاعری کو اس حسیت سے روشناس کرادیا جو ان سے پہلے جدید شعری ادب میں ناپید تھی۔ ان دونوں کی شاعری میں ماضی، فطرت، خوف، موت اور تنہائی کے مضامین اہم حیثیت رکھتے ہیں۔ دونوں نے ان مضامین کو مزید ذہن نشین اور متأثر کن بنانے کے لیے حسیات سے کام لیا ہے۔ دونوں شاعروں کی شاعری کے تجزیاتی مطالعے سے پتا چلتا ہے کہ انھوں نے فطرت کے حسن کو موضوع بنا کر ایک

ISSN: 2519-6332 (Print), ISSN: 2708-1915 (Online)

سحر پیدا کر دیا ہے اور ہر ایک نے حواسِ خمسہ کی الگ الگ علامتیں استعمال کی ہیں۔ دونوں کی شاعری میں حسیات کا جائزہ لیتے ہوئے یہ نتائج دستیاب ہوئے کہ ماضی کی یادوں کے حوالے سے دونوں کی شاعری میں سب سے زیادہ حس باصرہ کی کارفرمائی نمایاں ہے، اس کے بعد قوتِ سامعہ کا استفادہ بھی خوب نظر آتا ہے۔ دونوں شعرا اپنے بچپن سے متعلق مکان و زمان کی ہر تصویر خاص طور پر قدرتی مناظر کی، گھر، گلی، باغ، دیوار، پہاڑ، صاف آسمان، صحرا، موسم بہار وخزاں، بہار جوانی، سورج ڈوبنے کے منظر کے لیے حواسِ خمسہ کے ذریعے ماہرانہ تمثیلیں تراشتے ہیں اور رنگ برنگ تصویریں پیش کرتے ہیں۔ دونوں شعرا کے ہاں موت حقیقی معانی کے سوا دوسری کیفیات کے بھی مصداق ہوتی ہے۔ ان دونوں کی شاعری اپنی اداسی کا روپ اختیار کرنے کے لیے حسِ باصرہ سے متعلق تصویروں سے فائدہ اٹھائی نظر آتی ہے۔ اسی طرح اس مضمون میں منیر نیازی نے حسِ سامعہ اور فریدون مشیری نے حسِ لامسہ سے متعلق تمثال کاری کی ہے۔ دونوں شعرا خوف و وحشت کی کیفیات کی تصویر کشی کے لیے حواسِ خمسہ سے کام لیتے ہیں۔ مگر اس سلسلے میں منیر نیازی کی شاعری میں حسِ باصرہ اور سامعہ اور فریدون مشیری کی شاعری میں زیادہ حسِ سامعہ ابھر کر سامنے آتی ہے۔

دونوں شعرا کی نظموں میں تنہائی سے وابستہ حسیات کافی حد تک ایک دوسرے کے قریب آ جاتی ہے۔ خاص طور پر دونوں نے تنہائی کے جذبے کو فطری مناظر کے ساتھ ہم کنار کیا ہے۔ دونوں کے ہاں شام، ہوا اور جنگل سے متعلق تصاویر ملتی ہیں اور اسی طرح دونوں شعرا نے تنہائی کی عکاسی برف، بارش، درخت، برگ جیسے قدرتی مناظر کے ذریعے کی ہے۔ فرق اتنا ہے کہ منیر نیازی کے ہاں حسِ لامسہ اور فریدون مشیری کے ہاں حسِ باصرہ خصوصی طور پر بیدار ہوتی ہے۔

حواشی

۱۔ کاشمیری، حامدی، ''نئی حسیت اور عصری اردو شاعری''، سری نگر: جموں کشمیر اکیڈمی آف آرٹ اکیڈمی کلچر اینڈ لینگویجز، ۱۹۷۴ء، ص ۴۷

۲۔ فتوحی، محمود رود معجنی، ''بلاغت تصویر''، تہران: سخن، ۱۳۸۵، ص ۱۳۱

۳۔ زاہد حسن، ''شاعری منیر اپنی''، مشمولہ سہ ماہی ''ادبیات''، منیر نیازی نمبر، ۸۳ اور ۸۴، اسلام آباد: اکادمی ادبیات پاکستان، ۲۰۰۹ء، ص ۲۵۰-۲۵۱

۴۔ منیر نیازی، ''ایک اور دریا کا سامنا''، اسلام آباد: دوست پبلی کیشنز، ۲۰۱۸ء، ص ۲۶۸

۵۔ ایضاً، ص ۳۳۳

۶۔ ایضاً، ص ۱۸۷

۷۔ بخاری، صدف، ''منیر نیازی: ایک تنقیدی مطالعہ''، لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز، ۲۰۱۶ء، ص ۱۸۱

ISSN: 2519-6332 (Print), ISSN: 2708-1915 (Online)

۸۔ مشیری، فریدون، ''بازتاب نفس صبحدمان''، جلد اول و دوم، تہران: نشر چشمہ، ۱۳۸۰ھ، ص ۴۰
۹۔ ایضاً، ص ۴۹
۱۰۔ ایضاً، ص ۵۲۴
۱۱۔ فتوحی، ص ۱۲۴
۱۲۔ منیر، تمہید احمد ندیم قاسمی، ص ۱۳
۱۳۔ ایضاً، ص ۲۸۱
۱۴۔ مشہور، محمد احمد، ''منیر نیازی کی شاعری کا تنقیدی جائزہ''، علی گڑھ: علی گڑھ مسلم یونی ورسٹی، شعبہ اردو، ۲۰۱۷ء، ص ۱۵۴
۱۵۔ منیر، ص ۳۴۹
۱۶۔ ایضاً، ص ۲۵
۱۷۔ ملاکی، زہرہ، ''بازتاب جلوہ ہای رمانتیسم، اجتماعی در اشعار فریدون مشیری''، در دومین ہمایش بین المللی شرق شناسی، مطالعات ایرانی و بیدل پژوہی، ۱۳۹۵ھ، ص ۱۶
۱۸۔ مشیری، ص ۳۰۷۔۳۰۸
۱۹۔ ایضاً، ص ۴۹۴
۲۰۔ ایضاً، ص ۱۱۱
۲۱۔ وزیر آغا، ''یادوں کا نگر''، مشمولہ ماہنامہ ''چہارسو''، راولپنڈی، منیر نیازی نمبر، شمارہ مارچ اپریل ۲۰۰۵ء، ص ۴۴
۲۲۔ منیر، تعارف محمد سلیم الرحمٰن، ص ۲۴۲
۲۳۔ ایضاً، ص ۳۴
۲۴۔ ایضاً، ص ۳۷
۲۵۔ ایضاً، ص ۵۶
۲۶۔ حنفی، شمیم، ''غزل کا نیا منظرنامہ''، علی گڑھ: ایجوکیشنل بک ہاؤس، ۱۹۸۱ء، ص ۱۱
۲۷۔ وحیدی، احمد نور، ''زندگی، عشق و مرگ در شعر فریدون مشیری''، دومین کنگرہ بین المللی نوآوری و تحقیق در علوم انسانی و اسلامی، ۱۳۹۵ھ، ص ۱۳
۲۸۔ مشیری، ص ۲۸۰
۲۹۔ ایضاً، ص ۱۴۰۱۔۱۴۰۲
۳۰۔ ایضاً، ص ۶۰۶
۳۱۔ عنبرین منیر، ص ۵۲
۳۲۔ عنبرین منیر، ''جدید اردو نظم میں نفسیاتی عناصر''، فیصل آباد: مثال پبلشرز، ۲۰۱۷ء، ص ۳۲۷
۳۳۔ ایضاً، ص ۹۰
۳۴۔ ایضاً، ص ۱۵۸
۳۵۔ مشیری، ص ۲۸۱۔۲۸۲
۳۶۔ مشیری، ص ۴۹۸

ISSN: 2519-6332 (Print), ISSN: 2708-1915 (Online)

۳۷۔ ایضاً، ص ۱۳۱۵
۳۸۔ عنبرین منیر، دیباچہ احمد ندیم قاسمی، ص ۴۳۰
۳۹۔ ایضاً، ص ۱۶۲
۴۰۔ ایضاً، ص ۸۵
۴۱۔ ایضاً، ص ۱۳۶
۴۲۔ مشیری، ص ۲۳
۴۳۔ ایضاً، ص ۵۴۷
۴۴۔ ایضاً، ص ۱۲۶۵

مآخذ

۱۔ بخاری، صدف، ''منیر نیازی: ایک تنقیدی مطالعہ''، لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز، ۲۰۱۶ء
۲۔ حنفی، شمیم، ''غزل کا نیا منظر نامہ''، علی گڑھ: ایجوکیشنل بک ہاؤس، ۱۹۸۱ء
۳۔ عنبرین منیر، ''جدید اردو نظم میں نفسیاتی عناصر''، فیصل آباد: مثال پبلشرز، ۲۰۱۷ء
۴۔ فتوحی، محمود رود معجنی، ''بلاغت تصویر''، تہران: سخن، ۱۳۸۵ھ
۵۔ کاشمیری، حامد، ''نئی حسیت اور عصری اردو شاعری''، سری نگر: جموں کشمیر اکیڈمی آف آرٹ اکیڈمی کلچر اینڈ لینگویجز، ۱۹۷۴ء
۶۔ مشہور، محمد احمد، ''منیر نیازی کی شاعری کا تنقیدی جائزہ''، علی گڑھ: شعبۂ اردو، علی گڑھ مسلم یونی ورسٹی، ۲۰۱۷ء
۷۔ ملاکی، زہرہ، ''بازتاب جلوہ ہای رمانتیسم، اجتماعی در اشعار فریدون مشیری''، در دومین ہمایش بین المللی شرق شناسی، مطالعات ایرانی و بیدل پژوہی، ۱۳۹۵ھ
۸۔ مشیری، فریدون، ''بازتاب نفس صبحد مان''، جلد اول و دوم، تہران: نشر چشمہ، ۱۳۸۰ھ
۹۔ نیازی، منیر، ''ایک اور دریا کا سامنا''، اسلام آباد: دوست پبلی کیشنز، ۲۰۱۸ء
۱۰۔ وحیدی، احمد نور، ''زندگی، عشق و مرگ در شعر فریدون مشیری''، دومین کنگرہ بین المللی نوآوری و تحقیق در علوم انسانی و اسلامی، ۱۳۹۵ھ

رسائل و جرائد

۳۔ سہ ماہی ''ادبیات''، منیر نیازی نمبر، ۸۳ اور ۸۴، اکادمی ادبیات پاکستان، اسلام آباد، ۲۰۰۹ء
۲۱۔ ماہنامہ ''چہار سو''، راولپنڈی، منیر نیازی نمبر، مارچ اپریل ۲۰۰۵ء